وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

از جناب عبدالوہاب صاحب بدر بستوی سنٹرل لائبریری وشوا بھارتی یونیورسٹی
شانتی نکیتن، مغربی بنگال

نصاب بدیع العجایب | مصنفہ امیر خسرو۔ صفحات ۲۳، کاتب روح اللہ، سال کتابت ۱۵ سنہ جلوس بادشاہ محمد شاہ غازی، طرز کتابت خط شکستہ۔ کیڑوں کے دندانِ حرص سے اکثر الفاظ واضح نہیں ہیں۔

ابتداء کے انیس ۱۹ اشعار بغیر کسی عنوان کے ہیں، اس کے بعد کل بائیس ۲۲ عنوانات مع اپنی تفصیل کے مصنف کی کاوش اور ندرتِ دماغی کا پتہ دے رہے ہیں۔ حسب ذیل عنوانات غالبًا وضاحتِ نسخہ کے لیے کافی ہوں گے:

۱۔ ہر مصراع در مصراع دوم عربی قلب مصراع دیگر است بطریق لف ونشر دریں مصراع عربی اول قلب مصراع دوم است۔

۲۔ مصراع عربیہ مقلوب منقول است نصف بملاحظہ لف ونشر دریں قطعہ ہر مصراع عربیہ قلب ہم۔

۳۔ ترجمہ ہر مصراع عربی در مصراع فارسی مقلوب است بملاحظہ۔

۴۔ درمہر الفاظ آفتاب شمس و زحل و شمس الدین۔

۵۔ دریں قطعہ لفظ عربی ہر ..... خود لفظ فارسی ہر یک قلب بعینہ بمعانی است۔

۶۔ ..... ششش مصراع عربی مقلوب مستولیست برعایت لف ونشر۔

۷۔ القطعۃ ذوالبحرین۔

۸۔ القطعۃ فی المثلث

۹۔ " " "

۱۰۔ القطعۃ مقطوع الالف۔

۱۱۔ " لازم الالف۔

۱۲۔ " الفاظ.......

۱۳۔ الفاظ عربیہ مثلث بملاحظہ لف ونشر۔

۱۴۔ القطعۃ اول بجنس مصراع دویم بملاحظہ۔

۱۵۔ الفاظ مشترک بین المتن۔

۱۶۔ ایں قطعہ عربی و فارسی۔

۱۷۔ القطعۃ غیر منقوط۔

۱۸۔ القطعۃ مفصل الحروف۔

۱۹۔ " منفصل الحروف

۲۰۔ " رقطا۔

۲۱۔ " خیفا یعنی کلمہ منقوط و یک کلمہ۔

۲۲۔ " منقوط الحروف۔

ابتدائی پچیس (۲۵) اشعار بغیر کسی عنوان کے ہیں اور ان سے قبل نہ حمدیہ جملے ہیں اور نہ نعتیہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غالباً شروع کا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ نسخہ کا پہلا شعر:

"مصر شہر و شہر ما و مار آب و خوف سہم سہم تیر دا جنجہ چہ بال باشد بال جان"

اسی طرح پورے نسخہ میں ہر عنوان کے تحت جتنے بھی عربی اور فارسی الفاظ آئے ہیں سب کے نیچے حروف ع اور ف سے ممیز کیا گیا ہے۔ امیر موصوف کا یہ نسخہ بنام "نصاب حضرت امیر خسرو" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری کے سبحان اللہ مجموعہ میں موجود ہے جس کے [illegible] صفحات ہیں

...ء کا مکتوبہ ہے[1] نیز ایک نسخہ اس کی فرہنگ ہے جس کا نام "فرہنگ نصاب بدیع العجائب دیباچہ صنائع بحور و اوزان" ہے" جس کے صفحات ۲۹ ہیں اور ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء میں کتابت کیا گیا ہے[2]

فہرست خدابخش لائبریری پٹنہ میں "نصاب بدیع" جس کے مصنف کا نام محمد شریف ولد محمد اشرف اور ایک مشرّح نسخہ بنام "شرح نصاب بدیع" شارح ٹیک چند بہار کا ذکر ملتا ہے[3] لیکن حیرت ہے کہ نمونہ کا جو پہلا شعر ذکر کیا گیا بعینہ وہی ہے جو خدابخش لائبریری پٹنہ والے نسخہ کا بھی ہے۔ اب نمونہ کے شعر سے دو مصنفین سامنے آتے ہیں، ایسی صورت میں مذکورہ دونوں مقامات کے نسخوں کا جب تک مقابلہ نہ ہو، قطعیت کے ساتھ اصل مصنف کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن مختلف ذرائع سے یہ یقینی ہے کہ امیر موصوف کی ایک تصنیف "نصاب بدائع" کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

مذکورہ بالا قلمی نسخوں کے علاوہ مطبوعہ صورت میں بنام "نصاب خسرو" کتب خانہ رحیمیہ دہلی میں برائے فروخت پایا جاتا تھا۔[4] ڈاکٹر وحید مرزا مرحوم نے اپنی کتاب میں "نصاب بدائع العجائب" کا ذکر کیا ہے[5]۔ "مجلس امیر خسرو بلخی"، کابل (افغانستان) کے زیر اہتمام امیر خسرو کی حیات پر مختلف اہل علم کے مضامین کا ایک مجموعہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا تھا جس کے جامع فقیر محمد خیر خواہ ہیں۔ اس مجموعہ میں جامع موصوف کا ایک مضمون بعنوان "نسخہ ہائے خطی آثار امیر خسرو بلخی" ہے، اس میں موصوف نے بھی "نصاب بدیع العجائب" کا ذکر کیا ہے[6] اور پروفیسر محمد حبیب مرحوم بھی اپنی کتاب میں اس نسخہ کی اطلاع دے چکے ہیں[7]۔ ان مذکورہ شواہد کے پیش نظر یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کیا عجب ہے خدابخش لائبریری، پٹنہ کا نسخہ بھی امیر خسرو ہی کی تصنیف ہو

---

[1] فہرست نسخ قلمی سبحان اللہ اورینٹل لائبریری: ص ۳۰۔ [2] ایضاً: ص ۵۵۔
[3] فہرست قلمی کتب خدابخش لائبریری پٹنہ، جلد ۹: ص ۴۹۔۵۰۔ [4] فہرست کتب خانہ رحیمیہ دہلی ۱۹۲۸ء: ص ۴۷۔ [5] (حیات) امیر خسرو: ص ۱۹۳۔ [6] مجلس امیر خسرو بلخی: ص ۲۵۲۔ [7] حضرت امیر خسرو آف دہلی (انگریزی اڈیشن): ص ۴۵۔

مسٹر ہرمن ایتھے (Hermann Ethe) نے "نصاب بدیع" نام کے ایک نسخہ کا ذکر کیا ہے اور شعر اول کا جو نمونہ دیا وہ جوں کا توں وہی ہے جس کا تعارف کرایا جا رہا ہے؛ لیکن افسوس کہ مسٹر موصوف نے مصنف کا حوالہ نہیں دیا۔ نیز ایک شرح کی بھی اطلاع دیتے ہیں۔ جس کے شارح ملا سعد عظیم آبادی کو بتایا ہے[۱]

امیر خسرو قصبہ پٹیالی[۲] ضلع ایٹہ (یو۔پی) میں بسال ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء پیدا ہوئے اور دہلی میں بسال ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء وفات پائی۔ امیر خسرو مرحوم کی حیات اور ان کے آثار و افکار پر مختلف زبانوں خصوصاً اردو میں بصورت کتاب اور رسائل میں مضامین اتنی کثرت سے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک چھوٹی سی لائبریری تیار ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں موصوف کی زندگی سے متعلق سطحی طور پر لکھنا غیر ضروری سا معلوم ہوتا ہے۔ امیر خسرو مرحوم کی حیات کے کچھ نئے اور پوشیدہ گوشے اب بھی منظر عام پر لائے جا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ان کے عہد کی پوری تاریخ اور امیر موصوف کی جملہ پائی جانے والی تصانیف کے گہرے مطالعے کی ضرورت ہے، افسوس کہ احقر دقت اور تحقیقی علم و فہم سے قطعی طور پر فی الحال محروم ہے۔

اب تک امیر خسرو پر جتنی نگارشات کتاب اور مضامین کی شکل میں گذریں، چند کو چھوڑ کر اکثر میں صرف تکرار اور اعادہ کے سوا کچھ نہیں، صرف الفاظ اور جملوں کی تقلیب بندی ہے نیا زاویۂ نگاہ یا عمیق بصیرت یکسر معدوم۔ چند کتب جو قابل مطالعہ ہیں ان میں اولین مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی کتاب "شعر العجم" جلد دوم ہے۔ جس میں امیر موصوف کی حیات اور کارناموں پر مکمل تشریحات ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ شبلی مرحوم کی فکر و تحقیق سے اصحاب علم کچھ اختلافات

---

[۱] فہرست فارسی کتب قلمی انڈیا آفس لائبریری، لندن، جلد اول: ص ۱۲۹۷۔ [۲] یہ قصبہ پہلے گنگا کے جنوبی کنارے ضلع بدایوں میں تھا لیکن اب ضلع ایٹہ میں ہے (بحوالہ حواشی تاریخ فرشتہ مترجمہ اردو جلد ۲: ص ۱۷ و ۱۸۔ مترجم سید ہاشمی فرید آبادی)

کی گنجائش نکال سکتے ہیں جس طرح حافظ محمود شیرانی مرحوم اور ڈاکٹر وحید مرزا مرحوم وغیرہ نے کیے ہیں لیکن مجموعی طور پر اس سے بہتر کتاب اردو میں تو کیا فارسی میں بھی غالباً نہیں ہے۔ اور دوسری بہتر کتاب ڈاکٹر وحید مرزا مرحوم کی ہے۔

ان سلسلہ ہائے سطور میں صرف چند خدشاتِ حیاتِ امیر خسرو سے متعلق جو کھٹک رہے تھے اُنھیں کو پیش کیے جا رہے ہیں۔ غلام سرور لاہوری مرحوم نے اپنی کتاب میں انکشاف کیا ہے کہ امیر خسرو نے اپنے پیر و مرشد کی اجازت پر گلستانِ سعدی کی طرز پر "بہارستان" نامی کتاب تصنیف کی تھی۔ سرور لاہوری مرحوم کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

> نقل است کہ خواجہ امیر روزی بخدمت نظام الدین اولیاء بدایونی حاضر شد، دید کہ آنجناب بمطالعۂ گلستان مصروف ساخت۔ چوں شیخ از مطالعۂ کتاب فراغت یافت عرض کرد کہ اگر ارشاد گردد بندہ نیز یک نسخہ بطرز و طرح گلستان باشد تصنیف کند و باسم بہارستان موسوم سازد، فرمود کہ مناسب است۔ پس در چند ایام کتاب بہارستان تصنیف کرد و بخدمت شیخ آورد، شیخ فرمود کہ ترک اللہ دریں کتاب بسیار داد فصاحت و بلاغت دادی و نامش نیز بہارستان دادی۔[1] الخ

گلستانِ سعدی کے طرز پر صرف مولانا جامی کی "بہارستان" قلمی یا مطبوعہ صورت میں تو ضرور سُنی گئی ہے لیکن امیر خسرو کی کتاب کے سلسلے میں متعدد تذکرے اور کتب تواریخ کے مطالعے کے باوجود کہیں کوئی ذکر نہیں ملا اور نہ کسی کی زبان سے ہی اب تک کان آشنا ہو سکے، دوسری قابلِ افسوس کارروائی اپنی ناچیز سمجھ میں وہ آتی ہے جو امیر خسرو کی تدفین کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیاء مرحوم کی وصیت کے برخلاف عمل میں آئی۔ واقعہ کی تفصیل پہلے محمد قاسم فرشتہ (متوفی ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء) کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

> "شیخ بارہا گفتہ بود کہ امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست۔ چو رحلت کند پہلوی من دفن

---

[1] خزینۃ الاصفیاء: ص ۳۹۔

کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت ننہم و اگر جائز بود کہ دو کس را در یک قبر گذارند، وصیت کردے کہ او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم۔ الحاصل چوں امیر خسرو فوت شد، خواستند کہ بموجب وصیت بہلوئی قبر شیخ درون گنبد دفن کنند، یکی خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شدہ کہ بر بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد پس او را در پایانِ شیخ بر چبوترۂ یاران مدفون ساختند[۱] الخ"

مذکورہ وصیت میں شیخ اولیاء مرحومؒ کی دو خواہشات کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلی یہ کہ امیر خسرو کی قبر اُن کے پہلو میں ہو اور دوسری یہ کہ شرعاً اگر اجازت ہوتی تو ہم دونوں ایک ہی قبر میں مدفون ہوتے۔ ظاہر ہے یہ دوسری تمنا تو شرعاً ناممکن تھی لیکن پہلی خواہش شیخؒ کی وصیت کے مطابق عقیدتمندوں کا اخلاقی فرض تھا کہ اس کے مطابق عمل کرتے لیکن کتنا کم ظرف، مغرور اور بے ادب وہ خواجہ سرا تھا جس نے دیگر ارادتمندوں کے چاہنے کے باوجود اپنے پیرو مرشد کی آخری وصیت کے برخلاف امیر خسرو کو جانبِ پائینتی دفن کرا دیا۔ بہانہ یہ تراشا کہ دونوں قبروں میں عقیدتمندوں کے لیے اشتباہ لازم آئے گا۔ حالانکہ اس شبہہ کو دور کرنے کی متعدد صورتیں ہو سکتی تھیں، مثلاً کوئی نشان ہی نصب کر دیا جاتا۔

اس تدفین کو ہی بعد کے کچھ خوش اعتقاد پسندوں نے امیر خسرو کے لیے بہت بڑا اعزاز اور قلم نگاروں نے اس اہانت آمیز واقعہ کا ذکر ہی غالباً عظیم سعادت سمجھا یعنی تدفین اور منزلتِ وصیت کی اہمیت پر کسی نے کوئی رائے دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ تعجب ہے مولانا شبلی مرحوم جیسی شخصیت اِس تدفین پر کس طرح مطمئن ہو گئی ہے، لکھتے ہیں:

"خواجہ صاحب کی پائینتی دفن کیا گیا، اس سے [illegible]"

امیر خسرو اور شیخ نظام الدین اولیاء مرحوم رح کے درمیان جس طرح کے روحانی تعلقات تھے ان کے پیشِ نظر یہ واقعۂ تدفین قابلِ اعتراض نہیں بلکہ دونوں بزرگوں کے حق میں انتہائی توہین ہے۔

امیر خسرو کی زندگی کا تیسرا محیّر العقول وہ واقعہ ہے جب نظامیؔ گنجوی کی "مخزن الاسرار" (مثنوی) کے جواب میں امیر موصوف نے "مطلع الانوار" لکھنے کے دوران یہ شعر لکھا: ؎

"دبدبۂ خودیم شد بلند   زلزلہ در گورِ نظامیؔ فگند" تو پردۂ غیب سے ایک بے نیام تلوار امیر خسرو کے سامنے ظاہر ہوئی، امیر نے معاً اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیاء سے مدد چاہی تو فوراً ہی شیخ موصوف کی آستین مبارک اُس غیبی تلوار اور امیر خسرو کے درمیان حائل ہوگئی۔ محمد افضل سرخوشؔ مرحوم (متوفی ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء) لکھتے ہیں:

> از غیرت ایں سخن شمشیرِ برہنہ از غیب بروی نمودار شد، حضرت نظام الدین اولیاء بحمایت وی در رسید و آستین مبارک کہ خود در شمشیر بداشت و آستینِ آنحضرت قطع گردید۔[1]

اور محمد قاسم فرشتہ باین الفاظ اطلاع دیتے ہیں:

> "در تذکرۃ الاتقیاء مسطور است کہ امیر خسرو نسبت باستادانِ ماضیہ زبانِ طعن کشودی خصوص درآں وقت کہ خمسۂ نظامی را جواب می گفت و سلطان المشائخ از باطن ایشاں ترسانیدہ منع کردی و امیر خسرو در جواب گفتی کہ در پناہِ شمائم آسیبی بمن نرسد، قضارا وقتیکہ ایں بیت گفت:
>
> کوکبۂ خسرویم باشد بلند   غلغلہ در گورِ نظامی فگند
>
> تیغ برہنہ حوالہ امیر خسرو شد، امیر خسرو نام شیخ و شیخ فرید الدین مسعود گنج بزبان

---

[1] کلمات الشعراء؛ مرتب صادق دلاوری ایم۔اے: ص ۲۵۰۔

آوردو در یں صورت دستی پیدا شدہ سرِ آستین بدم تیغ دادو تیغ ازاں گذشتہ بر دو رختہ کنارے کہ در آنجا بود رسید وا میر خسرو بخدمتِ شیخ آمدہ خواست کہ اظہارِ آں حال نماید شیخ سرِ آستین بد نمودلہ

دونوں مصنفین مذکور کے بیان کردہ اس کراماتی واقعہ میں کس حد تک صداقت ہے؟ ماہرینِ اسرارِ تصوف اور زندان عقیدت کے سوا شاید ہی کوئی سنجیدہ ذہن قبول کرسکے سوال یہ ہے کہ جو تلوار امیر خسرو پر وار کرنے کے لیے غیبی طاقت نے بھیجا تھا بظاہر امیر خسرو کی تعلّی قدرت کو نہایت ہی ناپسند ہوئی جس کی پاداش میں معاذ اللہ خدا کا عتاب نازل ہونا ضروری ہوگیا۔ اور جب یہ عتاب آیا تو پیر و مرشد کا ہاتھ ڈھال ثابت ہوا اور پھر حیرت یہ ہے کہ حضرت شیخ کی صرف آستین قطع ہوتی ہے، ہاتھ صحیح سالم رہ جاتا ہے۔ گویا سارا وبال بیچاری بے جان آستین کے مقدر میں آیا۔ حالانکہ یہ پاداش جرم اس بندۂ گنہگار پر ہونا تھا جو نزول تلوار کا باعث ہوا یا وہ ہاتھ زد میں آنا چاہیے تھا جو خدائی فطرت اور اس کے فیصلہ کو رد کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ کیا شیخ نظام الدین اولیاء مرحوم جیسی بزرگ ہستی کی آستینِ مبارک قابلِ قدر نہ تھی جو اس پاداش کا شکار ہوگئی؟ امیر خسرو نے اپنے شعر میں نظامی سے متعلق جس خیال کا اظہار کیا اس طرح کی باتیں تقریباً ہر شاعرِ قدیم و جدید کے اشعار میں نظر آئیں گی، صرف شاعروں ہی پر کیا منحصر، اچھے اچھے نثار بھی اس سے مبرّا نہیں ہیں۔ لیکن اس جرم کی سزا کا کوئی بھی مستحق نہیں ہوا۔

افسوس ہے عام طور پر تصوف کے سلسلے کی ایسی ایسی بے شمار روایتیں کتابوں میں جگہ پا گئی ہیں اور زبان زد عام ہوگئی ہیں جو کورانہ عقیدت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ خود ساختہ روایات اور من گھڑت واقعات کی بنیاد تو آنحضورؐ کی وفات کے بعد ہی سے شروع ہوگئی تھی، لوگوں نے

لہ تاریخ فرشتہ، جلد ۲: ص ۴۰۳

لاکھوں اقوال وضع کرکے نبی امیؐ کی ذاتِ گرامی کی جانب منسوب کر دیے اور بعض فرموداتِ نبوی کا نام دے کر تشہیر خرد دع کر دی۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب رحمۃ للعالمین کی طرف غلط باتوں کے منسوب کرنے میں لوگوں کو باک نہ ہوا تو کئی صدیوں بعد کے صوفیاء کرام کے بارے میں عجوبہ واقعات بیان کرنے میں کیوں ہچکچا سکتے ہیں؟

امیر خسرو اور شیخ اولیاء مرحومؒ جیسی برگزیدہ ہستیاں بلا شبہ ہر اسلام پسند فرد کے لیے مشعلِ راہ اور نمونۂ ہدایت ہیں لیکن اُن کے اعمالِ حیات اور واقعاتِ زندگی بیان کرنے میں اعتدال اور سنجیدگی کا لحاظ ضروری ہے اور احتیاط و تحقیق کا جوہر ہمہ وقت پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ اسی میں بزرگانِ دین کی عظمت ہے اور اغیار کی نظروں میں شانِ امتیازی بھی۔

اب آخر میں امیر موصوف کی چند مشہور تصنیفات کے سلسلے میں ترتیب زمانی کے تحت اطلاعات پیش کی جا رہی ہیں البتہ جن کتب کا سالِ تصنیف نہیں معلوم ہو سکا ان کا ذکر اجمالاً کر دیا گیا ہے۔

۱۔ تحفۃ الصغر (دیوان اول) سالِ تصنیف ۶۷۱ یا ۶۷۲ھ / ۱۲۷۲ء

۲۔ وسط الحیات (" دوم) " " ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء

۳۔ قران السعدین (مثنوی) " " ۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ء (سلطان معز الدین کیقباد کے متعلق ہے) یہ مثنوی مولوی قدرت احمد کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ نیز ایک شرح عبدالرسول قاسم نے کی ہے، اور ایک شرح نورالحق (ابن شیخ عبدالحق محدث دہلوی) ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں کر چکے ہیں۔ اور اس مثنوی کا اصل متن لکھنؤ سے ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء میں بھی طبع ہوا تھا۔ لکھنؤ سے ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء میں

۴۔ غرۃ الکمال (تیسرا دیوان) سالِ تصنیف ۶۹۳ھ / ۱۲۹۴ء (قصیدہ علاء الدین محمد شاہ خلجی کی شان میں ہے)

۵۔ مطلع الانوار (مثنوی) سالِ تصنیف ۶۹۸ھ / ۱۲۹۸-۹۹ء۔ یہ نظامی کی "مخزن الاسرار" کے مقابلہ میں لکھی گئی

جو علاؤالدین محمد شاہ سے معنون ہے۔

۶۔ شیریں و خسرو (مثنوی) سال تصنیف ۶۹۸ھ/۹۹-۱۲۹۸ء۔ یہ نظامی کی خسرو شیریں کے مقابلہ میں لکھی گئی

۷۔ مجنوں و لیلیٰ (مثنوی) " " ایضاً لیلیٰ و مجنوں " " " جو لکھنؤ اور کلکتہ سے ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء، ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء و ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء اور ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں طبع ہو چکی ہے۔

۸۔ آئینہ اسکندری (مثنوی) سال تصنیف ۶۹۹ھ/۱۳۰۰-۱۲۹۹ء نظامی کی اسکندر نامہ کے مقابلہ میں لکھی گئی۔

۹۔ ہشت بہشت (") " " ۷۰۱ھ/۲-۱۳۰۱ء " " ہفت پیکر " " (اس میں بہرام گور کے عشقیہ واقعہ کا بیان ہے)

۱۰۔ دولرانی و خضرخاں سال تصنیف ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء (یہ علاؤالدین محمد شاہ خلجی اور دختر راجہ گجرات کی منظوم عشقیہ داستان ہے)۔

۱۱۔ نُہ سپہر سال تصنیف ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء (دربار قطب الدین مبارک شاہ خلجی کا بیان ہے۔)

۱۲ بقیہ نقیہ (دیوان چہارم) " " "

۱۳۔ اعجاز خسروی۔ سال تصنیف ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء (یہ انشاء اور شستہ نثر کا اعجاز ہے)

۱۴ تغلق نامہ (مثنوی) " " ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء اس مثنوی کا اول و آخر ناقص ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب یہ شہنشاہ جہانگیر کی نظروں سے ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء میں گذری تو اسے بہت پسند آئی لیکن ناقص ہونے کی بنا پر متفکر رہا۔ اتفاق کی بات کہ انہی ایام میں کاشان (ایران) کے ایک شاعر مرزا حیاتی سیاحۃً دکن آئے اور نظام شاہ بحری کے ملازم ہو گئے تھے۔ جہانگیر نے ان مرزا موصوف کے بارے میں اپنے کسی درباری سے تعریف سنی تو دکن سے بلوا کر اپنے قریبی ملازموں میں شامل کر لیا تھا۔ ایک دن اپنے درباری شعراء کو مذکورہ مثنوی کا تکملہ لکھنے کی فرمائش کی جن میں سے مرزا حیاتی کا تکملہ اتنا پسند آیا کہ مرزا موصوف کو سونا اور چاندی میں تلوا کر پوری ہموزن مالیت مرزا کو عنایت کر دی۔ حیاتی کی وفات غالباً ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں ہوئی۔[1] (باقی آئندہ)

---

[1] "سخنوران بلند فکر" مصنفہ محمد منور صاحب بہادر گوہر: ص ۱۹-۲۰۔